

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن کی گزشتہ تین اشاعتوں میں ہم نے معاشرے کے مختلف حلقوں کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی تھیں۔ اس مرتبہ ہم پوری قوم سے چند باتیں کہنا چاہتے ہیں اور اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔

یہ بات تو بالکل ناقابلِ تصور ہے کہ پاکستان کا کوئی باشندہ اس ملک کو تباہ کرنے کا ناپاک ارادہ رکھتا ہے۔ چند گنے چنے افراد کو چھوڑ کر جو ہر قوم میں اپنے ملک سے وابستہ فدااری کرنے والے نکل ہی آتے ہیں، اس ملک کے عام لوگ خدا کے فضل سے پاکستان کے دل و جان سے خیر خواہ ہیں اور اسے ایک آزاد خوشحال فلاحی مملکت کی حیثیت سے دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔ پاکستان کے مسلمان تو ایک طرف رہے پوری دنیا کے مسلمان اس خطہ ارضی سے بہت سی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں میں بار بار اس خطہ سے کا اظہار کر چکے ہیں کہ خدا نخواستہ اگر یہ ملک برباد ہو گیا تو پوری دنیا ئے اسلام کو خطرہ لاحق ہو جائے گا جس ملک کی اس قدر اہمیت ہے اس کے باشندوں کو اول تو ہر قدم پر مگر بالخصوص فیصلہ کن مراحل پر انتہائی تدبیر کا ثبوت دینا چاہیے کیونکہ ایک لمحہ کی غفلت اور بے پڑائی بڑے سنگین نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

اس ضمن میں پہلی بات جو باشندگانِ ملک کے اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے وہ موجودہ انتخابات کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ ہمارے ملک کے باشندوں کی چونکہ اچھی طرح سیاسی تربیت نہیں ہوئی اس لیے

انتخابات لڑنے والے یہ سمجھ کر میدان میں کودتے ہیں کہ ان میں کامیاب ہوتے ہی وہ حکومت کے ایوانوں میں پہنچ جائیں گے اور وہاں ان کے لیے دنیوی فوائد کا سم سم کھل جائے گا۔ اور انتخابات لڑنے والے ماہرین ان مواقع کو غنیمت جان کر اچھی طرح سودے بازی کرتے ہیں اور اپنے منہ پر ایمان کے نقد دام وصول کرنے کے علاوہ مستقبل کی مراعات کی بھی ضمانت لے لیتے ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان کی غلط فہمی ان انتخابات کو محض ہنگامہ آرائی سمجھتی ہے اور ذات برادری کے چکر میں ڈر کر یا چودھراہٹ کے دباؤ میں آکر، یا طرح طرح کے خوش آئند وعدے سن کر کوئی غلط فیصلہ کر ڈالتی ہے اور نہیں سمجھتی کہ جو فیصلہ وہ کر رہی ہے، اس کا غمازہ اسے خود ہی بھگتنا ہی ہوگا۔ اس وقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ عوام کے سامنے انتخابات کی اہمیت اچھی طرح واضح کی جائے۔ انتخابات کا اصل مقصد قوم کو یہ موقع فراہم کرنا ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اس امر کا فیصلہ کر لے کہ اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کے لیے وہ کونسا بیج پسند کرتی ہے اور پھر اس بیج پر زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے کن لوگوں اور جماعتوں پر بھروسہ کرتی ہے۔

جس معاشرے کی عنان اختیار کسی مطلق العنان بادشاہ یا آمر کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس میں خواہ زندگی کی کتنی حرکت و حرارت موجود ہو مگر وہ معاشرہ ہمیشہ محلاتی سازشوں اور مسلح بغاوتوں کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ اس معاشرے کے افراد کو کبھی بھی ذہنی اطمینان اور چین نصیب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سوچنے والا دماغ اور ہر حساس دل معاشرے کے حالات سے مختلف انداز سے متاثر ہو کر اپنے ذہن میں توہی فلاح و بہبود کا الگ نقشہ بناتا ہے اور اس بات کا آرزو مند ہوتا ہے کہ وہ اسی کے مطابق ملک کی تعمیر نو کرے۔ جن ممالک میں انتخابات کے ذریعے رائے عامہ کو برسرِ اقتدار آنے کی اجازت نہیں دی جاتی وہاں اضطراب کی لہریں اور تبدیلی کی خواہشات مستح انقلاب کی صورت اختیار کرتی ہیں اور مختلف گروہ اپنے بھائی بندوں کے خون سے ہولی کھیل کر مسندِ اقتدار پر متمکن ہوتے ہیں اور جب تک وہ اس پر براجمان رہتے ہیں اس وقت تک وہ اپنے آپ کو آتش فشاں پہاڑ کے دہانے

پرکھڑا محسوس کرتے ہیں۔

کسی انسانی معاشرے کے لیے بھڑوں کا گلہ بن جانا بالکل ناممکن ہے۔ پھر یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ انسان بالکل جمود کا شکار ہو جائے اور اس کے اندر تبدیلی کی کوئی خواہش سرے سے پیدا ہی نہ ہوئے۔ جب یہ دونوں باتیں ناممکنات میں سے ہیں تو کسی معاشرے کے اجتماعی ڈھانچوں میں تغیر اور عنان اختیار سنبھالنے والے ہاتھوں میں تبدیلی بھی فطری چیزیں ہیں۔ اگر یہ کام وورٹ کے ذریعے پر امن طریق سے سرانجام نہ دیئے جائیں تو پھر گولی کے ذریعے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔

باری تعالیٰ کا اہل پاکستان پر یہ احسان عظیم ہے کہ اُس نے اس قوم کو یہ سنہری موقع فراہم کیا ہے کہ وہ آرٹیت، استبداد اور فوجی حکمرانی سے نجات حاصل کر کے جمہوریت کی راہ پر گامزن ہو۔ تاریخ میں اس قسم کے مواقع شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی بد نصیب قوم جب ایک مرتبہ فوجی آرٹیت کی گرفت میں آجاتی ہے تو پھر کشت و خون اس کا معمول بن جاتا ہے اور وہ اس لعنت سے کبھی چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ اللہ کا یہ خاص احسان ہے کہ ہمارے ہاں نہ تو فوجی انقلاب کی وجہ سے اس ملک کی سرزمین اس کے باشندوں کے خون سے لالہ زار رہی اور نہ یہ استبداد یہاں منتقل قدم جاسکا۔ سابق صدر کچھ اسی طرح کے عزائم کے میدان میں اترے تھے اور دس سال کے عرصہ میں انہوں نے منتقل طور پر آرٹیت کے جھنڈے گاڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر قوم کے اجتماعی ضمیر نے ان کے اس غم کی تکمیل نہ ہونے دی اور انہیں بالآخر میدان سے ہٹنا پڑا۔ جنرل یحییٰ نے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے پہلے ہی دن سے اس امر کا اعلان کر دیا کہ وہ جلد از جلد جمہوریت بحال کرنے کے خواہشمند ہیں۔ چنانچہ اب تک انہوں نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے بارے میں دوسری شکایتیں تو کی جاسکتی ہیں مگر یہ شکایت نہیں کی جاسکتی کہ وہ جمہوریت بحال کرنے کے وعدے میں مخلص نہیں ہیں۔ اگر یہ ملک خون خرابے کے بغیر آرٹیت کی راہ سے ہٹ کر جمہوریت کی راہ پر گامزن ہو جائے تو یہ فائدہ مطلق کا اس قوم پر بہت بڑا احسان اور فضل ہوگا۔ یہ تبدیلی کوئی انقلابی تبدیلی نہیں بلکہ یہ ایسی تبدیلی ہے جس کی پوری تاریخ انسانی

میں چند مثالیں ہی ملتی ہیں۔

پھر اس ملک کے باشندوں کو ان انتخابات کے بارے میں یہ بھی اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ یہ نظریاتی اعتبار سے بھی فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں۔ ہمارے سرزمامت سے جھک جاتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس ملک میں جو اسلام کے نام پر اور اسلام کے لیے بنا ہے، آئندہ انتخابات میں ہمیں از سر نو اس طے شدہ امر کو پھر سے طے کرنا ہے کہ اس ملک کی تعمیر اسلام کی اساس پر ہوگی۔ یہ بات تو ہم پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے ہی اچھی طرح طے کر چکے تھے، مگر بد قسمتی سے اس ملک میں مختلف طبقے جن قسم کی ریشہ دوانیاں کرتے رہے ہیں ان سے اس اساس کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں کئی قسم کے خدشات پیدا ہو گئے ہیں اور چند افراد اس امر کے لیے سرزور کو شش کر رہے ہیں کہ کسی طرح ملک کی اس اسلامی اساس کو بدل کر یہاں باہر سے درآمد کردہ ملحدانہ نظریات پھیلانے جائیں اور ان کی عملداری قائم کی جائے۔ اس بنا پر اہل پاکستان ان انتخابات میں ایک بہت بڑی آزمائش سے گزرنے والے ہیں۔ انہیں اب نہایت واضح طور پر یہ ثابت کرنا ہو گا کہ وہ اسلام کے سوا اس ملک کی کوئی دوسری نظریاتی اساس تسلیم نہیں کرتے اور اس خطہ پاک کو اسلام اور صرف اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ یہ انتخابات اس مقدس عہد کی تجدید کی حیثیت رکھتے ہیں جو بڑے بزرگ و بزرگ مسلمانوں نے پاکستان کا مطلب و مقصد بیان کرتے ہوئے خدا اور خلق کے سامنے باندھا تھا۔ ان انتخابات کے ذریعے انہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنے عہد پر بدستور قائم ہیں۔ یہ انتخابات اس مرحلہ پر فی الحقیقت الحاد اور اسلام کے مابین استصواب ہیں کیونکہ ملت کو قطعی طور پر اس امر کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اسلام کے سوا ہر دوسری چیز کو باطل سمجھتی ہے اور اس بنا پر اس خطہ پاک میں کوئی غیر اسلامی نظام نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس ملک کی عظیم اکثریت نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے انتخابات میں غیر اسلامی عناصر اور قوتوں کو شکست فاش دے دی تو پھر الحاد کو کسی صورت میں بھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملے گا۔ لیکن اگر اس نے ان انتخابات کو محض ہنگامہ آرائی

کا شغل سمجھ کر اس میں غیر سنجیدگی اور عدم تدبیر کا مظاہرہ کیا تو پھر کفر والحاد جری ہو جائے گا اور اس میں یہ حوصلہ پیدا ہو گا کہ جو کام وہ اسمبلیوں میں گھس کر انجام نہیں دے سکا اُسے اپنی قوت کے بل بوتے پر بغیر آئینی طریقوں سے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

بہر پاکستانی کو ووٹ دیتے وقت سب سے پہلے اپنے ضمیر سے یہ پوچھنا چاہیے کہ اسلام کے معاملے میں کوئی جماعت سب سے زیادہ مخلص ہے اور کون اس بات کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اجتماعی زندگی کا کوئی ایسا جامع نقشہ بنا سکے جو اسلامی نظام کا ہر اعتبار سے مظہر بھی ہو اور جس کے مطابق دورِ جدید میں زندگی کی عملاً تعمیر بھی کی جاسکتی ہو۔

خلاص اگرچہ انسان کی داخلی کیفیت کا نام ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن کوئی شخص ہر جماعت، اس کی زندگی میں بہر حال ایسی علامات ضرور ظاہر ہوتی ہیں جن سے لوگ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے قول میں مخلص ہے یا نہیں۔ اخلاص کی پرکھ دو باتوں سے کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ انسان جن افکار و نظریات کا علمبردار ہے اس کی عملی زندگی میں ان کی جھلک موجود ہو۔ دوسرے اُن افکار و نظریات کے ساتھ اس کی وابستگی دیر پا ہو اور تجربے سے یہ ثابت ہو گیا ہو کہ کوئی شخص تو خریف اُسے اپنے مسک سے نہیں ہٹا سکتی ہے۔

بعض لوگ بڑے اضطراب کے عالم میں یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ اس ملک کی ہر جماعت اسلامی نظام کے قیام کی دعویدار ہے آخر ہم کس طرح یہ فیصلہ کریں کہ کون اس دعوے میں مخلص ہے۔ یہ اقرض بڑا سسطی اور یہ اضطراب بڑا بے معنی ہے۔ ذاتی زندگی میں ہمارے پاس کئی لوگ مختلف دعوے لے کر آتے ہیں۔ مگر محض دعوے کی بنیاد پر ہم ان پر بھروسہ نہیں کرتے، بلکہ یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ شخص اپنے دعوے میں کس حد تک کھرا اور سچا ہے۔ اگر ذاتی زندگی میں یہ پرکھ مشکل نہیں تو قریبی معاملات میں ہمارے لیے کیسے موجبِ پریشانی

بن سکتی ہے۔ کسی جماعت کا اخلاص تو بآسانی پرکھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک فرد کی حیثیت سے تو انسان اپنے آپ کو کچھ مدت تک اور کسی خدنگ چھپا سکتا ہے مگر کوئی جماعت جو ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتی ہے، جس کا دائرہ کار بڑا وسیع ہوتا ہے، اور جس کے افکار و اعمال صبح و شام لاکھوں انسانوں کے سامنے آتے رہتے ہیں، وہ آخر دلوں کے کھوٹ اور تفتیوں کے فساد کو کس طرح عرصہ دراز تک اغیاب میں رکھ سکتی ہے؟ اجتماعِ زندگی کی نفسیات یہی ہے کہ قول اور عمل میں تضاد اختیار کرنے کے ساتھ ہی اندر کے سارے بھید خود بخود باہر آ جاتے ہیں۔ اسی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اجتماعی جدوجہد کے جھٹکے اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ جو کچھ بھی اس جماعت کے اندر ہوتا ہے وہ فوراً باہر آ جاتا ہے۔ دوسرے کسی جماعت کے تمام افراد اتنے عیار اور چالاک نہیں ہوتے کہ وہ سب مل کر اپنی نیت کے فساد کو اجتماعی طور پر چھپا سکیں۔ اب کسی جماعت کے دعوائے اسلام کو پرکھنے کے لیے چند باتوں کو اگر نگاہ میں رکھا جائے تو حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے۔

جو جماعتیں اسلام کا نام لیتی ہیں ان کے ماضی پر نگاہ ڈالی جائے۔ خصوصاً اگر انہیں کمی اختیارات کی یا گیس سوچی گئی ہوں تو اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ انہوں نے اُس وقت اپنے اختیارات سے دین کو نافذ کرنے کے لیے کیا کچھ کیا ہے؟ جس طرح کسی فرد کے کردار کا صحیح اندازہ اس کی باتوں سے نہیں بلکہ اس کے عمل سے کیا جاتا ہے اسی طرح کسی جماعت کے کردار اور اخلاص کا اندازہ اس کے زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اُس کے اُس دور کے طرزِ عمل سے کیا جاتا ہے جب وہ صاحبِ اختیار تھی اگر اسی ایک معیار کو سامنے رکھ لیا جائے تو اصل صورت کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

باقی رہیں وہ جماعتیں جنہیں ابھی تک تختِ اقتدار پر متمکن ہونے کا موقع نہیں ملا ہے ان کے بارے میں بھی کسی نتیجے پر پہنچا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے بالکل اسی طرح جماعتیں اپنے ارکان اور حامیوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ جماعت کا مزاج لازمی طور پر اس کے کارکنوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی مزاج کو دیکھ کر ان کے دعوائے اسلام کو بآسانی پرکھا جاسکتا ہے۔

جن لوگوں کے افکار و اعمال، جن کی انفرادی زندگیاں اور جن کی اجتماعی سرگرمیاں سب اسلام کی ضد ہیں ان کی اسلام سے وابستگی کے دعوے کو کوئی فائر القتل ہی تسلیم کر سکتا ہے۔

کسی جماعت کے اخلاص فی الاسلام کو جانچنے کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا اس میں فی الواقع یہ صلاحیت بھی موجود ہے یا نہیں کہ وہ موجودہ دور کی ایک جدید ریاست کو اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق چلا سکے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ اس جماعت میں اسلامی علوم اور جدید علوم، دونوں کے جاننے والے اچھی خاصی تعداد میں موجود ہوں تاکہ حالات کو صحیح طور پر سمجھ کر اسلامی تعلیمات کا انطباق کیا جاسکے۔ جس طرح محض جدید علوم کے ماہرین اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے اسی طرح صرف قدیم علوم کے ماہرین بھی اس فرض کو کا حقہ سرانجام نہیں دے سکتے۔ اسلام سے گہری واقفیت اور دورِ جدید کے افکار و رجحانات اور احوال و ضروریات سے شناسائی، یہ دونوں چیزیں یکساں ضروری ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ملک کی تمام جماعتوں کا جائزہ لے کر دیکھیے کہ انہوں نے علمی میدان میں کیا کام کیا ہے اور ان میں کونسی جماعت ایسی ہے جس نے زندگی کے ہر گوشے اور نظامِ حکومت، نظامِ معیشت، نظامِ تعلیم، اور نظامِ تہذیب و تمدن کے ہر پہلو کے متعلق اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا واضح نقشہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے جو نئی تعلیم یافتہ نسل کو اس بات پر مطمئن کر سکے کہ فی الواقع اس دور میں ایک جدید ریاست اسلامی اصولوں پر چلائی جاسکتی ہے، اور اس کے ساتھ اس نے موجودہ زمانے کے افکار و رجحانات کی غلط رعایت کر کے اسلامی احکام و تعلیمات میں قطعاً کوئی معذرت خواہانہ تغیر و تبدل نہیں کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دینی طبقوں میں ایک گروہ ایسا موجود ہے جو نہ خود یہ ضرورت پوری کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اور نہ دوسرے کو یہ کام کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ شب و روز اس کام میں کیڑے ڈالنے اور طرح طرح کے انتہا مت لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن ملک اہل علم اور اہل نظر اور بے غرض دینداروں سے خالی نہیں ہے۔ وہ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ خدمت اس ملک کی کس جماعت نے انجام دی ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس جماعت نے اس نوعیت کا کوئی کام سرانجام نہیں دیا